ISSN Online : 2709-4030
ISSN Print : 2709-4022
Vol.8 No.2 2024

رشید جہاں کے افسانوں میں تصورِ عورت کی جہاتی صورت گری

Woman's Dimensional Depiction in Rashid Jahan's Fiction

نازیہ فضل

وزٹینگ لیکچرار، شعبہ اُردو، یونیورسٹی آف اوکاڑا، اوکاڑا

ڈاکٹر کنزہ نوشیر

وزٹینگ لیکچرار، شعبہ اُردو، یونیورسٹی آف اوکاڑا، اوکاڑا

Abstract:

*Rashid Jahan is important as a female fiction writer in the history of progressive fiction. Rashid Jahan was a confident and bold woman who put out the truth without hesitation. After Premchand, she is counted among those who gave a new path and a new direction to Urdu fiction. It will not be useless to title her as the first revolutionary writer among Urdu fiction writers. Her anxious personality was like her book "Shula Jawala". In her, there is found rebellion and protest against the trend of dominant forces in the society. Her main message was the struggle to free women from the slavery of men and the superiority complex and rely on themselves. The uniqueness of her fiction deals with the labourers, problems of the workers, their economical downwardness and infirmity and the exploitative behavior of upper class. She put a coat of satire on realism and tested it on the criteria of art and put it into words .Rashid Jahan's name will always shine in the tradition of Urdu fiction. In this article, the researcher highlight the Woman's Dimensional Depiction in Rashid Jahan's Fiction.***

Key word: fiction writer, Rashid Jahan's ,Significance ,taraqi passand,Tehreek,Progressive

افسانہ معاشرتی تفہیم کا ایک ذریعہ ہے۔ برق رفتاری سے بدلتے ہوئے حالات کی عکاسی و ترجمانی کے لیے داستان اور ناول کی طوالت غیر موزوں قرار پائی ۔ نتیجتاً افسانہ جیسی مختصر صنف کا وجود قیام پذیر ہوا۔ سجاد حیدر یلدرم، سلطان جوش، نیاز فتح پوری، علامہ راشد الخیری اور منشی پریم چند نے اس صنف کی نوک پلک کو درست کر کے اسے اردو ادب کی ایک مقبول عام صنف بنا دیا۔ ابھی افسانہ اپنی نوخیزی کے مراحل میں تھا کہ تاریخ کے سیاسی و سماجی منظر نامے پر ترقی پسند تحریک جیسی توانا تحریک ابھر کر سامنے آئی۔اس عہد کے شاعروں اور ادیبوں نے اپنے ارد گرد کے حالات سے سبق لیتے ہوئے زندگی کی ٹھوس حقیقتوں کو براہ راست اپنی تخلیقات کا موضوع بنایا اور ادب کو ایک آلہ کے طور پر استعمال کرنا شروع کیا۔ ترقی پسند تحریک کی بدولت افسانہ نگاری کا چلن عام ہوا۔ اُس وقت اردو ادب میں اظہارِ بیان کے دو طریقے رائج تھے ایک رومانی طرزِ اظہار تھا جس کی نمائندگی سجاد حیدر یلدرم کر رہے تھے اور دوسرا پریم چند کا تھا جس میں زندگی کی ٹھوس سچائیوں کو سیدھے سادھے الفاظ میں بیان کیا جاتا تھا۔ڈاکٹر رشید جہاں نے پریم چند کے طریق اظہار کو اپنایا اور ترقی پسند ادبی روایات کو آگے بڑھانے میں خواتین کی نمائندگی کی۔ انھوں نے جس عہد میں اپنا ادبی سفر شروع کیا وہ عہد سیاسی، سماجی اور معاشی اعتبار سے ہنگامہ خیز تھا۔اس وقت نہ صرف ہندوستان بلکہ پوری دنیا میں سیاسی سماجی مسائل کو وہ سائنٹفک بنیاد پر حل کرنا چاہتی تھیں۔ جب ۱۹۳۶ء میں لکھنو میں ترقی پسند مصنفین کی پہلی کانفرنس ہوئی تو انھوں نے نہ صرف اس میں شرکت کی بلکہ جلسے کا انتظام بھی بڑی تندہی سے کیا کیوں کہ وہ اس کے موقف کی موافق اور ہم نوا تھیں۔ وہ اپنے معاصرین کی ہمدرد مستقل مزاج ساتھی، نامساعد حالات کا ڈٹ کر مقابلہ کرنے والی ایک نڈر بے باک آئیڈیل خاتون تھیں۔ ان کی انقلاب پسند طبعیت نے بعد کی افسانہ نگار خواتین کو ایک نئی راہ دکھائی۔ وہ نئی راہ یہ تھی کہ سماج میں پھیلی برائیوں کو مٹانے، عدم مساوات کے خلاف آوازِ احتجاج بلند کرنے، متوسط اور ادنٰی طبقے کی زبوں حالی کو دور کرنے کے لیے مردوں کے ساتھ ساتھ ایک عورت کس طرح شریک کار بنے؟ ان کا یہ قدم بعد کی افسانہ نگار خواتین عصمت، خدیجہ مستور، ہاجرہ مسرور، صدیقہ بیگم، صالحہ عابد حسین وغیرہ کے لیے مشعل راہ ثابت ہوا۔ رشید جہاں کے بارے میں ڈاکٹر قمر رئیس رقمطراز ہیں:

> ” وہ ایک آزاد قلم افسانہ نگار اور صحافی تھی۔ اس نے اُردو افسانہ میں حقیقت نگاری اور انسان دوستی کی اُس برگزیدہ روایت کو ایک نیا رخ دیا جس کی داغ بیل پریم چند نے ڈالی تھی۔ اس کے افسانے صحافتی مضامین شمالی ہند میں آزادی نسواں کا پہلا پرچم تھے۔ نام و نمود انعام و اکرام اور شہرت سے بے نیاز' انتہائی سادگی لگن اور محبت سے اپنے وطن کی اس کی عوام کی خاموش خدمت کرنے والی رشید جہاں۔۔۔ عہد پریم چند کی افسانہ نگاری اور ترقی پسند افسانہ کی درمیانی کڑی ہیں۔[۱]

ISSN Online : 2709-4030
ISSN Print : 2709-4022
Vol.8 No.2 2024

رشید جہاں کی افسانہ نگاری کا دور ۱۹۲۲ء سے لے ۱۹۵۲ء کے عرصے تک پھیلا ہوا ہے۔اس عرصے میں انھوں نے کم و بیش تیس کہانیاں، پردے کے پیچھے ،کانٹے والا، عورت، پڑوسی جیسے کل نو ڈرامے اور کچھ سیاسی اور سماجی مضامین لکھے ہیں ان کے تین افسانوی مجموعے"عورت اور دیگر افسانے"، "شعلۂ جوالہ"، "وہ اور دوسرے افسانے ڈرامے" اور دیگر افسانے شائع ہو چکے ہیں۔ سلمیٰ ان کی پہلی کہانی ہے مگر شہرت کی وجہ "انگارے" میں شامل ان کی دو تحریریں "دلی کی سیر" اور پردے کے پیچھے" ہیں۔"انگارے" نے رشید جہاں کی ایک انقلابی لکھاری کے طور پر شناخت کو مستحکم کیا۔یہی ان کی تخلیقات کا مختصر سرمایہ ہے جو اپنے عہد اور فکر و نظر کے اعتبار سے وقیع بھی ہیں اور اہم بھی۔

رشید جہاں کے افسانوں کی ایک خاص بات یہ ہے کہ انھوں نے پریم چند، راشد الخیری اور سدرشن وغیرہ کی طرح عورت کی ذات کو محض ایثار و قربانی کا مجسمہ بنا کر پیش نہیں کیا ہے بلکہ عورت کو ہوشیار، عقل مند، دلیر، پر اعتماد اور حالات سے مقابلہ کرنے والی ہیروئن کی شکل میں اجاگر کیا ہے۔انھوں نے صنف نازک کو ان کے جائز حقوق و مطالبات سے آگاہ کرانے اور عورتوں کے وقار و معیار کو بلند کرنے کی خاطر اپنی پوری زندگی وقف کر دی۔یہی وجہ ہے کہ ان کے بیشتر افسانوں اور ڈراموں میں مرکزی کردار عورت یا عورتوں کے مسائل رہے ہیں۔ایسا نہیں ہے کہ انھوں نے صرف عورتوں کے مسائل کو ہی اپنی تحریروں کی زینت بنایا ہے بلکہ وہ ایک ترقی پسند اور مارکس وادی تھیں۔وہ اس نظریے پر یقین رکھتی تھیں کہ ادب کو سماج کا آئینہ دار ہونا چاہیے اور ادب کی افادیت کو نظر انداز نہیں کرنا چاہیے۔چنانچہ ان کے ہر افسانے اور ڈرامے کا موضوع ہمارے معاشرے کے کسی نہ کسی چبھتے ہوئے پہلو کو اجاگر کرتا ہے۔ان کے افسانوں میں چور، دلال، کلرک، کسان، ساہوکار، بھکاری، پنڈت، مولوی سبھی کردار نظر آتے ہیں۔غریبوں کا بھگوان، پین، سڑک، افطاری، چھدا کی ماں، استخارہ، فیصلہ اور سفر جیسے افسانے سماجی معاملات و مسائل کو اجاگر کرتے ہیں۔ان میں سماجی بیداری کا درس ملتا ہے۔لیکن عورتوں کا ذکر جس جگہ ہوا ہے وہاں ان کی اخلاقی اور شوخی کا جوہر بالکل نمایاں اور روشن ہے۔اب تک جن باتوں کو بیان کرنا خلاف تہذیب تصور کیا جاتا تھا۔ان کو بے باکی اور بے ساختگی سے واضح کیا ہے۔افسانہ "دلی کی سیر" جو کہ "انگارے" میں شامل ہے۔زبان کی بے باکی اور جرات مندی کا بہترین اور اولین نمونہ ہے۔جس میں عورت نے مرد کے لکھے پن کو کھل کر پہلی مرتبہ بیان کیا ہے۔مرد اساس معاشرے میں عورت کی یہی پیش قدمی اس کے لیے تعن و تشنیع کا سبب بھی بنی ہے۔

ان کی کہانیوں میں عورت کے جذبات، احساسات و نفسیات کی ترجمانی بہتر انداز میں دیکھنے کو ملتی ہے۔ان کی کہانیوں میں مردوں کی بد مزاجی و بد کرداری ہی نمایاں نہیں بلکہ عورتوں پر ہو رہے مظالم کے لئے عورتوں کی کم ہمتی اور بزدلی کو ذمہ دار ٹھہرایا ہے۔گویا عورتوں پر ہو رہی زیادتی، ظلم و جبر اور ناانصافی و محرومی کی اصل وجہ عورت خود ہے۔افسانہ "چھدا کی ماں" میں ماں کا کردار افسانہ "افطاری" میں بیگم صاحبہ کا کردار، افسانہ "وہ" میں پورا اسٹاف اسی طرح افسانہ "ساس بہو" میں ساس کا کردار، اس کے علاوہ "بے زبان میں ماں کا کردار اور "اندھے کی لاٹھی" میں محمد اقبال خاں کی بیگم کا کردار۔ان تمام افسانوں میں عورت کے لیے دوزخ تیار کرنے میں عورت کے ہاتھ کو ہی دکھایا گیا ہے۔کہیں عورت ماں کی شکل میں کہیں ساس کی شکل میں تو کہیں بیگم کی شکل میں اپنی بربادی کا سبب خود بنتی ہے۔عورت کے ساتھ میاں کی چیرہ دستیاں بھی بیان کیں جب اولاد کے زندہ رہنے کے طعنے بھی عورت کو دیے جاتے ہیں اور عورت ہی کو اس کا سزاوار قرار دے کر دوسری شادی کرنے کی دھمکی دی جاتی ہے ان افسانوں میں صرف عورت ہی کو مظلوم نہیں دکھایا بلکہ ان عورتوں کو بھی طعن کا نشانہ بنایا جو اپنے مردوں کی زندگی میں اس قدر قفل ہوتی ہیں کہ ان بے چاروں کو روئے زمین پر کہیں کوئی گوشہ عافیت میسر نہیں آیا۔وہ سماج کے افراد کو اپنے پڑوسی کے حالات سے باخبر رہنے کا بھی درس دیتی ہیں، قطع نظر اس بات سے کہ وہ پڑوسی کسی مذہب سے تعلق رکھتا ہے۔کس نسل سے تعلق رکھتا ہے اور کس فرقے کا ہے۔اہمیت اس کے پڑوسی اور انسان ہونے کو حاصل ہونی چاہیے۔

رشید جہاں نے "وہ اور دوسرے افسانے، ڈرامے" میں مردوں کی نفسیات کو موضوع بحث بنایا ہے۔انھوں نے مردوں کا خاص وقت میں خاص چہرہ دکھایا ہے۔یہ مرد کبھی عزت دار کا، کبھی شرافت کا کبھی متقی پرہیز گار کا لبادہ اوڑھے پھرتا ہے۔لیکن جب اسے عورت کے ساتھ تنہائی میسر آتی ہے تو اس کا اصل اندرونی چہرہ کود کر سامنے آتا ہے۔اسے پھر اپنے تقویٰ اور شرافت کے لبادے کی پرواہ نہیں ہوتی۔اس لبادے کو یہ مرد اتار پھینکتا ہے۔ایک عورت کے پیچھے تین مرد کس طرح دیوانے ہو رہے تھے، بحث کر رہے تھے، پاگل ہو رہے تھے یا دم ہلا رہے تھے اور عورت بالکل خاموش تھی۔آگے چل کر رشید جہاں نے اس معاشرے کے مردوں کی ایک اور بھیانک تصویر دکھائی ہے:

> "بازار میں جب کتیا کے پیچھے تین چار کتے پڑتے ہیں اور اس طرح جوش اور بے تابی دکھاتے ہیں تو
> کم بخت کتیا بھی اتنے خریداروں کا ہجوم دیکھ کر جان چھپا کر بھاگتی ہے۔یہ انسانی عورت جس کو مالداروں

اور نیک شریف عورتوں نے بھی نیچا کر دیا تھا۔ ایک ہاتھ سے کار پکڑ کر جھولتی رہی۔ جانی تم ہی بتاؤ کہ تمھارے ساتھ پہلے کون چلے؟ "وہ زور سے نہیں" ارے آجا میرے لیے تم سب حرامی ایک ہی سے ہو۔ "یہ پل کی طرف بھاگی اور ایک مرد جلدی سے اس کے پیچھے لپکا۔"۲

رشید جہاں کی یہ مختصر کہانی اپنی پیش کش، رویہ اور زبان و بیان کے اعتبار سے ایک لاجواب اور بھر پور کہانی ہے۔ جس میں مصنفہ خود ہمیں نظر نہیں آتیں۔ لیکن ایک نسوانی کردار کے ذریعہ صرف منظر کشی کر کے اور دوسرے کرداروں کے مکالموں کے ذریعہ کہانی کو کہیں سے کہیں پہنچا دیتی ہیں۔ افسانہ "میرا ایک سفر" میں زبیدہ نامی لڑکی ریل کے سفر کی روداد اپنی ہندو سہیلی شکنتلا کو لکھتی ہے۔ یہاں شکنتلا اس خط کے جواب میں ایک سڑک کے مناظر بیان کرتی ہے۔ شکنتلا دسہرے کی چھٹیوں میں اپنے ماموں گھر جاتی ہے۔ اس گھر کے سامنے سے ایک سڑک گزرتی ہے اور گھر کے بارجے پر بیٹھی شکنتلا سارے مناظر کا گہرائی سے مشاہدہ کرتی رہتی ہے۔ وہاں سے اسے ایک منظر نظر آتا ہے جسے وہ کچھ اس طرح بیان کرتی ہے:

> ''کل رات سامنے کے میدان میں ایک مولوی صاحب وعظ فرما رہے تھے۔ ذرا اور تھے اس لیے چہرہ مبارک تو دکھائی نہ دیتا تھا۔ ہاں ان کا موٹا جسم تھرکتا ہوا نظر آتا تھا۔ چیختے چیختے ان کی آواز پھٹ گئی تھی ۔ لیکن وہ اللہ کا نام لینے والا اسی جھر جھری آواز میں بولے جاتا تھا۔ ہر چیز پر حملہ تھا۔ اسکولوں کالجوں، لڑکوں، لڑکیوں کی تعلیم ، پردہ، میاں بیوی کی ترقی، خوشی، مغرب، ایشیا غرض کوئی موضوع ایسا نہ تھا جس پر انھوں نے رائے زنی نہ کی ہو۔ انگریزی تعلیم کی برائی، میاں بیوی کا رتبہ، پروفیسر کی بد چلنی پر بہت دیر تک روشنی ڈالتے رہے۔ سب سے زیادہ انھوں نے تاکیز کی خبر لی۔ کہتے تھے ،"آپ لوگ تاکیز دیکھنے جاتے ہیں، وہاں کنجڑیاں ہوتی ہیں۔ آنکھیں مٹکاتی ہیں، اپنی برہنہ چھاتیاں آپ کو دکھاتی ہیں۔ ننگی آپ کے سامنے آجاتی ہیں۔ بھلا بتائیے کہ یہ اسلام کی تعلیم ہے۔''۳

اس طرح شکنتلا نے ایک مولوی کی ذہنی تصویر کا خوبصورت نقشہ اپنے خط میں اتار کر زبیدہ کو بھیجا۔ دراصل شکنتلا نے اپنی سہیلی کو یہ سمجھانے کی کوشش کی ہے کہ یہ مذہب پرست لوگ جو صرف تصورات کی دنیا میں سیر کرتے ہیں بڑے بڑے وعظ کر کے معصوم لوگوں پر رعب ڈالتے ہیں۔ فرقہ وارانہ جھگڑے کراتے ہیں۔ ان کو عورتوں کی بے پردگی سے نفرت ہے لیکن پھر بھی وہ اپنے بیان میں اپنی تقریروں میں عورتوں کا ذکر اتنے ننگے انداز میں کرتے ہیں کہ شرم محسوس ہوتی ہے۔ مثال ملاحظہ ہو:

> ''ان کی آنکھوں میں ہر وقت ننگی عورتیں ناچتی ہیں۔ ان کے خیالات ہر وقت عورتوں میں مشغول رہتے ہیں۔ یہاں تک کہ عورتوں کے جسمانی حصوں کا نام لینے کے لیے وہ اپنے وعظ میں بھی جگہ نکال لیتے ہیں۔''۴

استخارہ" کے عنوان سے ایک افسانہ رشید جہاں نے لکھا۔ اس میں ایک ایسی عورت کی داستان پیش کی گئی ہے جو مذہب کے سخت اصولوں کی بھینٹ چڑھ جاتی ہے۔ بلکہ یہ کہنا زیادہ بہتر ہوگا کہ مار ڈالی جاتی ہے۔ اس حوالے سے ڈاکٹر شاہدہ بانو لکھتی ہیں

> "جس طرح سے انھوں نے اپنی بعض دیگر کہانیوں میں سماج میں ہونے والی کمزوریوں کو بے نقاب کیا ہے اسی طرح اس کہانی میں استخارہ سے ہونے والے نقصانات کا بیان نہایت ہی طنز آمیز لہجے میں کیا ہے جس سے ظاہر ہوتا ہے کہ رشید جہاں کیسی گہری اور وسیع فکر کی مالک اور وسیع النظر تھیں۔ سماج میں ہونے والی چھوٹی سے چھوٹی برائیوں پر ان کی نظر پہنچ چکی تھی۔ اور وہ انھیں دور کرنے کی کوشش میں لگی رہتی تھیں۔ اور اس کی فلاح کے لیے انھوں نے ایسا انقلابی قدم اٹھا لیا تھا۔ جو اس دور کی عورتوں ہی میں نہیں بلکہ مردوں میں بھی ممکن نہیں تھا کہ وہ مذہب سے متعلق بعض فرسودہ اصولوں پر انگلی اٹھائیں ۔ لیکن رشید جہاں یہ ٹھان چکی تھیں کہ انھیں سماج میں پیوست ان سارے کانٹوں کو نکال پھینکنا ہے جو

انسانیت کا بڑی بے رحمی سے خون کر رہے تھے اور جس سے دھیرے دھیرے انسانیت ختم ہوتی جارہی تھی۔"۵

رشید جہاں کی فکر کسی رومانوی دنیا کی سیر نہیں کرواتی وہ تلخ حقیقت دکھاتی ہیں جو سماج میں غالب ہیں۔ان کا نشانہ ہر وہ شخص ہے جو کسی بھی طرح کے انسان کے لیے مفید نہیں۔وہ غریب عورت کے حوالے سے تمام مذاہب پر کڑتی ہیں خواہ وہ پنڈت ہو مولوی ہو یا پادری سب اونچے اونچے واعظ تو دیتے ہیں لیکن حقیقتاً وہ مظلوم انسانوں سے کتنا پیار کرتے ہیں کتنا دل میں درد ہے اس پر انھوں نے کھل کر طنز کیا ہے۔سب سے بڑھ کر پنڈت اور برہمنوں پر طنز کے نشتر برسائے ہیں۔لیکن ان کی فکر کا مطالعہ بنظر غائر کیا جائے تو واضح ہوتا ہے کہ وہ مذاہب کا مذاق نہیں اڑاتیں وہ تو مذہبی امور کا غلط اور بے جا استعمال پر طعن کرتی ہیں۔رشید جہاں کے بارے میں ہاجرہ بیگم کہتی ہیں:

"سوال یہ اٹھتا ہے کہ اسی فضا میں پرورش پانے کے بعد پھر رشید جہاں کا قلم اُن درمیانی اور نچلے طبقے کے مسلمان گھرانوں کا آئینہ دار کیوں بن گیا جن میں راندہ درگاہ پچھڑی اور مظلوم عورتیں ہوتی تھیں جو "شریف مستورات" کہلاتی تھیں اور جن کا دل رشید جہاں چیر کر سامنے رکھ دیتی تھیں۔۔۔۔۔پرانی دلی میں "فراش خانہ" کی ایک تنگ گلی میں واقع ایک کشادہ حویلی میں رشید جہاں کی ننھیال تھیں۔۔۔۔بیس بائیس سال کی رشید جب میڈیکل کالج سے بائیولوجی اور گائناکولوجی اور میڈیسن کا لیکچر سن کر نانی اماں کے ہاں جاتی ہو گی اور وہاں ٹکے بندھے کپڑے پہنے ،زیوروں کے بوجھ میں دبی ایک بچہ پیٹ میں ایک گود میں نسوانی امراض سے چُور ان پوٹلیوں کو دیکھتی ہوں گی۔جن کی زندگی دکھ جھیلنے ،ساس نند کے طعنے سننے اور میاں کی جنسی خواہشات کو پورا کرنے میں گزرتی تھی تو ان کے احساس دماغ پر ہتھوڑے کی سی چوٹ پڑتی ہو گئی۔"٦

ان کا افسانہ "سودا" جو سب سے زیادہ اعتراضات کی زد میں آیا۔کیوں کہ اس میں انھوں نے عورتوں کے بارے میں مردوں کا رویہ کھول کر بیان کیا جو مرد کبھی بیان نہیں کر سکتے تھے۔یہ افسانہ مرد کے ہاتھوں عورت کے استحصال کی ایک گھناؤنی تصویر سامنے لاتا ہے۔دوسری طرف غریبوں کا استحصال ہے۔جہاں "غریبوں کا بھگوان" کی درگاہ دن رات کی سخت دوڑ دھوپ کے باوجود اپنے بیمار بچے کو موت کے منھ میں جانے سے روک نہیں پاتی۔نہ تو اس کے پاس اپنے بیمار بیٹے کے علاج کے لیے رقم ہے اور نہ مندر کے برہمن کو دان میں دینے کے لیے روپیہ۔رشید جہاں نے اپنے وقت کے سماج کی عورت کے اندر کے وہم ،خوف اور جہل کو ختم کر کے ایک انقلابی سوچ دینا چاہتی تھیں۔ایک ایسا انقلاب جس کے زیر اثر وہ پوری طرح اپنے حقوق سے باخبر ہو جائے۔وہ اچھی طرح جانتی تھیں کہ حقوق نسواں کی بحالی اور تعلیم نسواں کی ضرورت عام انسانی زندگی سے جڑی ہوئی ہے اور ایک باخبر اور تعلیم یافتہ ماں ہی ایک صحت مند معاشرے کی تشکیل کر سکتی ہے۔اس کے وہم نے اسے نقصان ہی پہنچایا ہے۔مردوں کی برتری سے مرعوب یہ عورت سماج کی دوسری ہتھکڑیوں میں بھی گھری ہوئی تھی۔رشید جہاں نے عورت کو اس کے وہم اور مرعوبیت کے نقصانات سے آگاہ کیا۔

تعلیم نسواں کے ساتھ ساتھ وہ شعور نسواں پر بھی زور دیتی ہیں۔افسانہ "افطاری" میں بھی انھوں نے عورت کی نفسیات کو خوب صورت انداز میں ابھارا ہے۔کہانی کی ہیروئن نسیمہ کی زبانی اس طبقاتی نظام کی پیداوار معاشی زبوں حالی کو جہنم سے تعبیر کرتی ہیں۔نسیمہ کے خیال میں دنیا صرف ان چند لوگوں کے لیے جنت ہی جنت ہے جن کے پاس دولت ہے۔متوسط اور نچلے طبقے کے لوگ ان کے پلاٹ کے واقعات کو بنتے ہیں۔ان واقعات کا تعلق پورے سماج کے اس مخصوص طبقے سے جڑتا چلا جاتا ہے جس طبقے کا مرکزی کردار ہمارے افسانے میں سامنے آتا ہے۔

آصف جہاں کی بہو افسانے کے پلاٹ کا تانا بانا مسلم گھرانوں کے رسم ورواج کی ایک عمدہ تصویر پیش کرتا نظر آتا ہے۔اس کے علاوہ "بے زبان"، "اندھے کی لاٹھی" وغیر وایسے افسانے ہیں جو اس طبقے کی محصور اور گھٹی گھٹی زندگی کے مشغلوں ،محرومیوں ،خوشیوں اور تقریبات کی بھی تصویر ہمارے سامنے پیش کرتے ہیں۔رشید جہاں کی نظر معاشرے میں کسمپرسی میں گھری عورت کو ڈھونڈتی پھرتی تھی۔جہاں کوئی ایسی عورت نظر آتی رشید جہاں کی نظر اس کی مظلومیت کی داستاں کی تمام تر گہرائیوں میں اتر کر ایک ایک واقعے کو جان لیتی تھی۔اسی وجہ سے ان کے پلاٹ میں کہانی کے چھوٹے چھوٹے واقعات بھی در آتے ہیں۔طوائف کے موضوع پر بہت سے ناول اور افسانے لکھے گئے لیکن وہ طوائف کے جوبن اور عروج کے دنوں کی داستانیں سناتی ہیں۔افسانے "وہ" میں بیسوا کی زندگی کے المیے کو مصنفہ نے دکھایا

ISSN Online : 2709-4030
ISSN Print : 2709-4022
Vol.8 No.2 2024

ہے۔جب ایک طوائف اپنی جوانی اور حسن سے محروم ہو کر لوگوں کے لیے قابل نفرت بن جاتی ہے جو کبھی اس کی ایک نظر کو ترسا کرتے تھے۔ایسے دور میں جب اس کے جسم اعضاء امراض خبیثہ کے اثر سے گل گل کر کرنے لگتے ہیں۔فاحشہ عورت کی روح جس اذیت سے اور جس کرب سے گزرتی ہے مصنفہ نے اسے بڑی عمدگی سے بیان کیا ہے۔ بیسوا کا یہ رنگ دیکھ کر قاری کو اس سے نفرت کی بجائے ہمدردی ہوتی ہے۔رشید جہاں کے افسانوں میں مقصدیت اور رویے کو بہت زیادہ اہمیت دی گئی۔کچھ افسانوں میں مضامین کا سامواد نظر آنے لگتا ہے۔اس حوالے سے ڈاکٹر ادریس احمد کہتے ہیں:

> ”رشید جہاں نے اپنے بعض افسانوں میں مقصد اور رویے کو اس قدر اہمیت دی ہے کہ وہ افسانوی مزاج سے بہت آگئے ہیں۔ اس کی ایک مثال ”دلی کی سیر “ ہے۔ جو افسانے کے مقابلے میں مزاجاً مضمون کے زیادہ نزدیک نظر آتا ہے۔ اور حقیقتاً اگر اس افسانے کا نام آزادی نسواں یا اس سے ملتا جلتا کوئی دوسرا نام رکھ دیا جاتا تو اس کو مضمون کہنا زیادہ مناسب ہوتا۔ البتہ ”آصف جہاں کی بہو“، ”افطاری“، ”چھد کی ماں“ ”وہ“ اور مجرم کون؟ افنی لحاظ سے مکمل افسانے کہے جاسکتے ہیں۔“[۷]

ڈاکٹر رشید جہاں کو اردو افسانہ نگار خواتین میں پہلی انقلابی مصنفہ کہیں تو بے جانہ ہوگا۔ان کی اضطراب آسا شخصیت اپنی کتاب "شعلہ جوالہ" کی طرح سے تھی۔ان کے اندر معاشرے پر غالب قوتوں کے رجحان کے خلاف بغاوت بھی ملتی ہے اور احتجاج بھی۔ان کے ذہن میں پہنچنے والے خیالات دیگر بہت سی عورتوں کے اذہان و قلوب میں بھی اپنی آماج گاہ بنائے ہوئے ہوں گے، لیکن ان خیالات کو الفاظ کا جامہ پہنانے کا حوصلہ اور اخلاقی جرات کسی میں نہیں تھی۔وہ ایک باغی تھیں۔ایک مصلح بھی تھیں۔مسیحا بھی تھی۔ان کا دلیرانہ احتجاج ان کی مزاحمت ان تمام مظاہر کے خلاف تھی جو انسان کو اور عورت کو حیوان اور جانوروں کی سی زندگی گزارنے پر مجبور کیے ہوئے تھے۔جن کے نزدیک عورت محض حظ اٹھانے کی ایک کل ہے۔اس کل کے کسی پیچ پرزے سے کوئی آواز نہ آنے پائے۔اسے جیسے چاہے استعمال کرو۔ان کے خلاف رشید جہاں ایک بلند چیخ تھیں۔وہ معاشرے کے ایک بھیانک چہرے کی سفاکیت سے بھری تصویر سامنے لاتی ہیں۔ان کی کہانیوں کے کردار اپنے اندر حقیقت پسندی کی تلخی اور تندی لے کر سامنے آتے ہیں۔ایسے کرداروں پر بیتنے والے احساسات کو لفظوں سے ملبوس کر کے ہمارے سامنے رشید جہاں نے خوبصورتی سے پیش کیا ہے۔

حوالہ جات

۱۔ قمر رئیس،ڈاکٹر،(مقدمہ)وہ اور دوسرے افسانے،ڈرامے۔دلی:لبرٹی آرٹ پریس،۱۹۷۷ء،ص ۲۵

۲۔ رشید جہاں،وہ وہ اور دوسرے افسانے،ڈرامے،دلی:لبرٹی آرٹ پریس،۱۹۷۷ء،ص ۵۲،۵۱

۳۔ رشید جہاں،عورت اور دیگر افسانے۔لاہور:فیروز پرنٹنگ ورکس۔۱۹۳۷ء،ص ۷۵

۴۔ ایضاً،ص ۷۵

۵۔ شاہدہ بانو،ڈاکٹر،رشید جہاں،حیات اور کارنامے۔لکھنو:نشاط آف سیٹ پریس،۱۹۹۰ء،ص ۱۲

۶۔ ہاجرہ بیگم،وہ اور دوسرے افسانے،ڈرامے،مرتبہ رشید جہاں یادگار کمیٹی،دلی:لبرٹی آرٹ پریس،۱۹۷۷ء،ص ۱۴

۷۔ ادریس احمد خان،ڈاکٹر،رشید جہاں،حیات اور خدمات۔دلی:اے جے آفیسٹ پریس،۱۹۹۶ء،ص ۶۵